چودھری محمد اسماعیل

# سود

## (۳)

جب تمام دنیا کے ماہرینِ معاشیات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ منافع، کرائے اور حصے وغیرہ میں سرمائے کا معاوضہ یعنی سود شامل ہوتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دنیائے اسلام کا کوئی عالم اس حقیقت سے انکار کر سکے۔ ہاں اگر مذہبی گرفت سے برائے نام بچنے کے لیے منافع، کرائے اور حصے وغیرہ میں سود کا عنصر نہ مانے تو یہ جدا بات ہے مگر اس سے مذہب کا مقصد اور منشا پورا نہیں ہو سکتا۔

مندرجہ بالا تحقیقات کی رو سے علمائے کرام کا یہ دعویٰ تو بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کا بنکوں وغیرہ کا سودی لین دین حرام ہے۔ کیونکہ اس میں اور زمانۂ جاہلیت کے سود میں اپنی کیفیت و ماہیت اور روح کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں لیکن ان کا یہ کہنا درست ثابت نہیں ہوتا کہ منافع، کرائے اور حصے وغیرہ میں سود کا عنصر نہیں ہوتا۔ اور ماہرینِ معاشیات کا یہ کہنا بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و تجارت کے منافع، زمین، مکانات اور دیگر اشیا کے کرائے اور حصہ وغیرہ میں سرمائے کا معاوضہ یعنی سود شامل ہوتا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول حقیقت پر مبنی دکھائی نہیں دیتا کہ زمانۂ جاہلیت کا سود اور آج کل کا سود مختلف چیزیں ہیں۔ وہ حرام تھا اور یہ حرام نہیں۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنیاد پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ مروجہ نظامِ معاشیات کے قالب میں سود قلب و روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا ہر شعبہ سود خواری کے اصولوں پر مبنی ہے اور سود چونکہ کلی طور پر اسلام کے منافی ہے لہذا یہ نظامِ معاشیات سرتاپا غیر اسلامی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مخبر صادق کا قول اسی نظام سے متعلق ہے جس میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ آئیگا کہ لوگ سود کھائیں گے۔ عرض کیا گیا سب لوگ؟ فرمایا من لم یا کلہ منھم نالہ من غبارہ۔ جو ان میں سے سود نہیں کھائیگا اس کا غبار اس کو پہنچ رہے گا۔

# مروّجہ نظام دیگر زاویہ ہائے نگاہ سے

مروجہ نظام معاشیات سودی یعنی غیر اسلامی ثابت ہونے کے بعد بھی اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس نظام کا ہر پہلو سے بغور جائزہ لیا جائے اور ہر زاویہ نگاہ سے اس کے حسن و قبح کو دیکھنے کی کوشش کی جائے تاکہ مروجہ نظام اور اسلامی نظام صحیح طور پر سمجھ میں آسکے۔

## بھاؤ کی مجبوری

قبل ازیں تو ہم نے خرید و فروخت میں سود کا جائزہ لیا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ خرید و فروخت میں ہم کسی بھاؤ پر مجبور ہوتے ہیں یا رضامند۔

ہم کوئی شے خریدنے کے لیے بازار میں جاتے ہیں۔ قیمت دریافت کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کل اس چیز کی قیمت بارہ آنے تھی لیکن آج ایک روپیہ ہے۔ ہم اِدھر اُدھر سے دریافت کرتے ہیں لیکن قیمت میں کوئی رعایت نہ پاکر آخر ایک روپے میں وہ شے خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے بازار میں جاتے ہیں تو وہ چیز جس کی قیمت فروخت کل ایک روپیہ تھی آج اس کے چودہ آنے بھی کوئی نہیں دیتا۔ پھر ہم بادلِ ناخواستہ سستے داموں اپنی جنس فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بہر صورت ہم منڈی کے بھاؤ پر خرید و فروخت کے لیے مجبور ہوتے ہیں نہ کہ رضامند۔ اگر کوئی شخص اس مجبوری کو رضامندی کا نام دے تو یہ رضامندی ایسی ہی ہے جیسے کوئی ڈاکو کسی مسافر کو کہے کہ جو کچھ تیری جیب میں ہے یہاں رکھ دے ورنہ پستول سے اسی جگہ تجھ کو ڈھیر کرتا ہوں۔ تو وہ بے چارہ نقدی چھوڑ کپڑے اتار دینے کے لیے بھی رضامند ہو جاتا ہے۔

بھاؤ کے نشیب و فراز اور ہماری مجبوری کی وجہ یہ ہے کہ پہلے روز جب ہم چیز خریدنے کے لیے گئے تو اس وقت ہمیں اُس شے کی سخت ضرورت تھی اور بدقسمتی سے بازار میں وہ چیز کمیاب تھی تو ہماری احتیاج کے پیشِ نظر بائع نے فائدہ اٹھایا اور ہمیں قیمت زیادہ دینے پر مجبور کر دیا۔ دوسرے روز جب ہم جنس فروخت کرنے کے لیے گئے تو چیز کی مانگ کم تھی اور ہمیں اپنی احتیاج کے پیشِ نظر اپنی جنس کو ضرور فروخت کرنا تھا۔ پھر خریدار نے ہماری مجبوری سے فائدہ اٹھا لیا اور ہمیں جنس کے دام کم ملے۔ اس روزمرہ مثال سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ مروجہ نظام میں ہم بھاؤ سے رضامند نہیں بلکہ مجبور ہوتے ہیں اور محتاج سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش ہوتی ہے۔ اور یہ بات اس نظام کا ایک اصول اور

خاصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سودخوارانہ نظام میں اشیا کی پیداوار اپنے اپنے خود غرضانہ نقطۂ نگاہ سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق محض اپنے فائدے کو مدنظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ اور خود غرضانہ خیال کے ماتحت ہی منڈی میں لائی جاتی ہے۔ اشیا کی پیداآوری اور تیاری کے لیے نہ کوئی باہمی سمجھوتہ ہوتا ہے اور نہ مشورہ۔ لہذا کبھی اشیا کی پیداآوری اور منڈی میں اس کی رسد بڑھ جاتی ہے۔ اور کبھی کم ہوجاتی ہے۔ جب رسد بڑھ جاتی ہے تو اشیا اپنی اصل قدر سے کم قیمت پر فروخت ہونے لگتی ہیں۔ اس طرح اشیا پیداکرنے والوں کو نقصان ہوتا ہے۔ نقصان اٹھانے کی وجہ سے وہ اشیا پیداکرنا اور بنانا بالکل بند یا کم کردیتے ہیں۔ اس صورت میں اشیا کی رسد کم ہوجاتی ہے، اور اس کے مقابلہ میں طلب زیادہ ہوتی ہے تو اشیا کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں۔ اس صورت میں اشیا کی گرانی کی وجہ سے صارفین چیخ اٹھتے ہیں۔

خود غرضانہ طریق پر اشیا کی پیداآوری۔ رسد اور طلب میں عدم توازن۔ بھاؤ کی مجبوری۔ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے بے چینی اور ابتری۔ ضرورت مندوں کی احتیاج کے پیش نظر قیمتوں کا گراں ہونا اور نفع اندوزوں کی مراد کا بر آنا یہ باتیں لین دین میں بھاؤ کے پہلو پر معمولی سوچ بچار کرنے سے ہمارے سامنے میں آجاتی ہیں۔ غور کا مقام ہے کیا اس طریق کار اور لین دین میں اسلامی تعلیم اور اصولوں کی کوئی بھی خوبو ہے۔ کیا خودغرضی اور نفع خوری کے پیش نظر ضروریاتِ زندگی کی پیداآوری اسلامی تعلیم ہے۔ اسلام تو خودغرضی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تو تعاون کی تعلیم دیتا ہے۔

کیا قرآن کا حکم ہے کہ مومنو! صلاح مشورہ کے بغیر کام کیا کرو تاکہ تمہاری طلب اور رسد کا توازن بگڑا رہے۔ کیا وہ امرھم شوریٰ بینھم (اور ان کا امر آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے) کا سبق نہیں دیتا۔ پھر کیا اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کی احتیاج کے پیش نظر اشیا کی قیمت بڑھا لیا کرو۔ خریدار خود اپنی غرض کے لیے زیادہ قیمت دینے پر مجبور ہوگا۔ نہیں نہیں۔ اس کی تعلیم اس بارے میں کس قدر صاف اور واضح ہے۔ فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (ترجمہ) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو بجز اس کے کہ لین دین آپس کی رضامندی سے ہو ـــــــ اس سودخوارانہ نظام میں آپس کی رضامندی کہاں۔ آپس کی رضامندی تو تب ہو اگر اشیا اپنی اصل قدر یعنی اس قیمت پر فروخت ہوں جو ان کی پیداآوری پر آتی ہے۔ اور اصل قدر پر وہ تب فروخت ہوں جب ان کی پیداآوری تعاونوا اور امرھم شوریٰ کے حکم کے مطابق سمجھوتے اور تعاون سے رسد اور طلب کے توازن کو مدنظر رکھتے ہوئے کی

جائے اور باہمی تعاون اور سمجھوتہ تب ہو اگر سود خواری کو ختم کیا جائے۔ لیکن اس نظام میں تو احتیاج کے پیش نظر اشیا کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ اور اس باطل طریق سے لوگ ایک دوسرے کا مال کھاتے ہیں بلکہ اس روزمرہ مشق کی وجہ سے ایک دوسرے کی احتیاج سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا جذبہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ یہ جذبہ اور اس کے ساتھ عملی مشق مل کر انسان میں اخلاقِ حسنہ کو ابھرنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔

## ایک کا نفع دوسرے کا نقصان

لین دین میں منافع کے ایک اور پہلو پر غور کرنے سے ایک اور حقیقت ہمارے سامنے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ منافع درحقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ ایک کی جیب سے پیسے نکل کر دوسرے کی جیب میں چلے جاتے ہیں یعنی ایک آدمی کا منافع دراصل دوسرے آدمی کا نقصان ہوتا ہے۔

مثلاً ایک آدمی ایک جنس ایک شہر سے خرید کر دوسرے شہر میں لے جاکر فروخت کرتا ہے۔ منتقلی اور انتظامیہ اخراجات نکالنے کے بعد فرض کیجیے اس کو ایک سو روپے منافع ہوتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ یہ ایک سو روپے کہاں سے پیدا ہو گئے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنے سے جنس میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ وہ تو جوں کی توں ہی رہی۔ جنس کی قیمت خرید پر جو باربرداری وغیرہ کے اخراجات بڑھے وہ قیمت فروخت میں سے منہا کر لیے گئے پھر یہ یک صد روپے کس طرح اضافہ ہو گیا۔ اس اضافے کی صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جنس خریدتے وقت اس کی قدر سے یک صد روپے کم دیے جائیں اور فروخت کرتے وقت اس جنس کی دوسرے شخص سے زیادہ قیمت لی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ درحقیقت یہ یک صد روپے منافع پہلے آدمی کا نقصان ہے جس کو جنس خریدتے وقت یک صد روپے کم دیے گئے تھے۔

مثلاً شیخ دولت علی نے ایک بیوہ سے جس کو اپنے بچوں کی تعلیم وغیرہ کے لیے روپے کی ضرورت تھی بیس ہزار روپے میں ایک مکان خریدا اور ایک سال اس کا کرایہ کھانے کے بعد بائیس ہزار روپے میں فروخت کر دیا۔ اس طرح اس سودے میں شیخ صاحب کو دو ہزار روپے نفع ہوا۔ غور کا مقام ہے کہ وہ دو ہزار روپے شیخ صاحب کے ہاتھ کہاں سے آ گئے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے بیوہ کو مکان کی اصل قیمت سے دو ہزار روپے کم دیے تھے۔ یعنی بیوہ کا نقصان شیخ صاحب کے نفع میں منتقل

ہو گیا ہے ورنہ شیخ صاحب کو دو ہزار روپے زائد حاصل ہونے کا اور تو کوئی وسیلہ ہی نہیں۔

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی ایک ہزار روپے میں کچھ مال خرید کرتا ہے۔ اور پھر وہی مال نو سو روپے میں فروخت کر کے ایک سو روپے نقصان اٹھاتا ہے۔ اس صورت میں عیاں ہے کہ اس نے مال خریدتے وقت زیادہ قیمت دی اور فروخت کرتے وقت کم وصول کر کے نقصان اٹھایا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کا نقصان دوسرے کے نفع میں منتقل ہو گیا۔

غرضیکہ تجارت یعنی خرید و فروخت اشیا کے فعل میں ایک کا نفع دوسرے کا نقصان اور دوسرے کا نفع اس کے نقصان میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اگر یہ بات صحیح نہیں اور نفع دراصل کوئی ایسی قدر زائد ہے جو کسی شے کی خرید و فروخت کے دوران میں پیدا ہو جاتی ہے تو پھر تو یہ بڑے مزے کی بات ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اشیاء ادھر سے اُدھر خرید و فروخت کر کے بیچ میں سے منافع پیدا کرتے چلے جائیں۔ اور اس منافع کی برکت سے دنیا آسودہ اور خوش حال ہوتی چلی جائے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ سرمایہ دار یعنی جماعت تاجران محض اشیا کی خرید و فروخت سے خواہ وہ ہزار بار کی جائے ایک پائی بھی منافع پیدا نہیں کر سکتی بجز اس کے کہ وہ منافع دوسرے کا نقصان ہو۔

مروجہ خرید و فروخت کے تجزیہ سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ خرید و فروخت کا فعل درحقیقت کسی شے کی اصل قدر میں اضافہ نہیں کر سکتا اور بظاہر جو ہمیں منافع دکھائی دیتا ہے وہ درحقیقت دوسرے آدمی کا نقصان ہوتا ہے۔ مروجہ سود خوارانہ نظام میں نادان انسان اسی منافع کے حصول کی خاطر مارے مارے پھرتا ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح کم قیمت دوں اور زیادہ وصول کروں یعنی دوسرے کے نقصان کو اپنے منافع میں منتقل کر دوں۔ حصولِ منافع کے لیے خرید و فروخت اشیا کا چکر صرف ایک آدمی کے منافع کو دوسرے کے نقصان میں منتقل کرنے کے سوائے کچھ نہیں کرتا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی بات دنیا میں باعث فساد ہے۔

نظامِ سود خواری کا یہ دستور ہے کہ ایک آدمی اپنے بھائی کے نقصان کو اپنا نفع بنائے۔ اور افسوس یہ ہے کہ نام نہاد عالم بھی اس کو از روئے اسلام جائز قرار دیتے ہیں۔ اب اس کے بالمقابل قرآن کریم کی تعلیم پر غور کیجیے کیا وہ آمنوا کے ساتھ عملوا الصّٰلحٰت کی شرط نہیں لگاتا۔ اور سوچیے کیا یہ عمل صالح ہے کہ دوسرے کے نقصان پر اپنے منافع کی بنیاد رکھی جائے اور پھر مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائی کے نقصان کو اپنے نفع کی صورت میں منتقل کر کے اس پر ھٰذا من فضل ربی کا بورڈ آویزاں کرے۔

کیا اس قسم کے فضل ربی پر جس کی بنیاد اپنے بھائی کے نقصان پر رکھی گئی ہو خوش ہونے اور اترانے کا مقام ہے یا ندامت سے سر جھکا لینے کا۔ کیا یہی پاکیزگی ہے (یزکیھم) جو اسلام سکھاتا ہے۔ اور کیا یہی کتاب اور حکمت ہے (یعلمھم الکتاب والحکمۃ) جس کا وہ درس دیتا ہے۔ ہرگز نہیں اس کا ارشاد بالکل اس کے برعکس ہے۔ فرماتا ہے:

یایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم و تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما و من یفعل ذالک عدوانا و ظلما فسوف نصلیہ نارا (النسار۔ ۵)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو۔ بجز اس کے کہ لین دین آپس کی رضامندی سے ہو۔ اور تم خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ اللہ تمہارے حال پر مہربان ہے اور جو کوئی اپنی حد سے تجاوز کرکے ظلم کے ساتھ ایسا کریگا اس کو ہم آگ میں جھونک دیں گے

اس آیت میں لین دین کے لیے جواز کی دو شرطیں بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ لین دین باہمی رضامندی سے ہو مگر مروجہ نظام میں لین دین بھاؤ کی مجبوری پر ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان نہ ہو۔ کیونکہ یہ تباہی کا راستہ ہے مگر ہمارے ہاں دستور ہی یہ ہے کہ ایک کے نفع کی بنیاد دوسرے کے نقصان پر رکھی جاتی ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے لین دین کی جو دو شرطیں بیان فرمائی ہیں مروجہ دستور میں دونوں ہی مفقود ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ لین دین کی یہ دونوں شرطیں اس نظام میں ہو ہی نہیں سکتیں کیونکہ اس کی بنیاد ہی سودخواری پر ہے۔ اسلامی نظام جس میں سود نہ ہوگا بلکہ زکوٰۃ ہوگی۔ اس نظام میں یقیناً لین دین میں ہر دو شرطوں پر عملدرآمد ہو سکے گا۔

## مقابلہ و مسابقت

مروجہ نظام معاشیات میں مقابلہ و مسابقت ایک نہایت ہی اہم چیز ہے۔ ہر ایک آدمی زندگی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں دکھائی دیتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ یہ مقابلہ کس طرح ہوتا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے۔ کیا یہ اسلام کی تعلیم اور روح کے مطابق ہے یا اس میں بھی سودخوارانہ ذہنیت کام کرتی ہے۔

جب آدمی تعلیم حاصل کرکے سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کوئی کام کرے۔ کچھ کمائے اور اپنا معاشی بوجھ آپ اٹھائے۔ تلاشِ روزگار میں وہ گھر سے نکلتا ہے۔ تو

پہلے اس کا رخ دفتر کی طرف ہوتا ہے کہ کہیں اچھا عہدہ مل جائے تو نظامِ حکومت میں شریک ہو کر فائدہ اٹھائے۔ مختلف محکموں میں جاتا ہے تو جواب ملتا ہے NO VACANCY (کوئی جگہ خالی نہیں) ہے، زبردست مقابلہ ہے۔ آخر کار بڑی سرگردانی اور تلاش کے بعد WANTED (ضرورت ہے) کے ایک اشتہار پر اس کی نگاہ پڑتی ہے۔ کہ فلاں نوکری کے لیے فلاں تاریخ تک درخواستیں پہنچ جانی چاہئیں۔ ایک آسامی کے لیے پچاس بے روزگاروں کی درخواستیں آجاتی ہیں۔ حاکم وقت سوچتا ہے کہ کس کو یہ آسامی دی جائے اور کس کو انکار کر دیا جائے۔ آخر عدل نوشیروانی جوش مارتا ہے تو صاحب اختیار کی طرف سے فرمان جاری ہوتا ہے کہ فلاں روز اس آسامی کے لیے مقابلہ کا امتحان ہوگا اور اگلے دن انٹرویو (INTERVIEW) ہوگا۔ جو آدمی اول آئے گا وہ اس آسامی پر متمکن ہونے کا حقدار ہوگا۔ ہر ایک امیدوار خاص مضمون کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ متدین ہے تو خدا سے دعائیں مانگتا ہے کہ اے اللہ تو بڑا غفور الرحیم ہے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ عہدہ بخش دے۔ یعنی دوسروں کی ایک نہ سن اور انہیں محروم رکھ۔ دنیا دار ہے تو اثر و رسوخ اور سفارش سے کام لیتا ہے۔ یعنی مجھے یہ عہدہ مل جائے اور دوسرے جائیں جہنم میں۔ آخر امتحان مقابلہ میں ایک خوش قسمت کامیاب ہو جاتا ہے اور باقی انچاس امیدواروں کو یہ کہا جاتا ہے کہ تم بھی اول آنے کی کوشش کرو۔ تم نے ٹھیک سے محنت نہیں کیا۔ تم فسٹ آتے تو تم کو عہدہ مل جاتا۔

ظاہر ہے کہ ایک آسامی کے لیے پچاس امیدواروں میں سے لازماً ایک ہی کو منتخب ہونا تھا۔ پھر یہ طریق انتخاب اگر انچاس آدمیوں کو دھکا دینے کا ایک بہانہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی مائی کا لال اس عہدہ کے لیے موزوں تھا اور دوسرے سب آدمی ناکارہ تھے کیونکہ اگر پانچ آدمیوں کی ضرورت ہوتی تو انہی میں سے چار اور بھی منتخب کر لیے جاتے۔ اب وہ بیچارے اس لیے ناکارہ ہو گئے کہ ضرورت صرف ایک ہی کی تھی۔

جگہیں چونکہ کم ہوتی ہیں اور امیدوار زیادہ لہٰذا ہر ایک امیدوار کے دل میں جذبۂ خود غرضی کا نشوونما پانا لازمی امر ہے۔ ہر ایک آدمی دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر ایک آدمی یہی خواہش کرنے پر مجبور ہے کہ اسے کامیابی حاصل ہو اور دوسرے محروم رہیں۔ یہ ہے سودخوارانہ نظام میں مقابلہ اور مسابقت کی نوعیت اور اس کی ایک مثال۔ اب خود ہی غور کیجیے کہ کیا اسلام خودغرضی نفرت اور رقابت کے جذبات کو ابھارنے کے طریق کار کا سبق دیتا ہے یا برعکس اس کے ہمدردی

محبت اور تعاون و اعانت کی تعلیم پیش کرتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ شعبۂ تجارت میں مقابلہ کیونکر ہوتا ہے۔ جو آدمی میدانِ تجارت میں کودنا چاہتے ہیں پہلے ان کو ٹھکانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنا تجارتی مال برائے فروخت پیش کر سکیں وہ شہر کے اس بازار میں دکان کی تلاش کرتے ہیں جہاں لوگوں کی آمد و رفت کثرت سے ہو تاکہ مال زیادہ فروخت ہونے کی وجہ سے منافع زیادہ حاصل ہو سکے۔ لیکن وہاں کوئی دکان خالی دکھائی نہیں دیتی۔ آخر وہ خوش ہوتے ہیں جب ان کو ایک ایسے دکاندار کا پتہ لگ جاتا ہے جو لین دین میں خسارے کی وجہ سے دیوالیہ بن رہا ہے۔ دکان کے متلاشی اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُدھر وہ بھی نقصان پورا کرنے کے لیے موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور پگڑی کا مطالبہ پیش کر دیتا ہے۔ جو زیادہ پگڑی دے وہ دکان لے لے۔ اس طرح ایک دکان کے لیے چار یا پانچ آدمیوں میں مقابلہ ہو جاتا ہے۔ آخر کار ایک بڑا دکاندار جو سب سے زیادہ پگڑی دے سکتا ہے دکان حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کے دوسرے رقیب کفِ افسوس ملتے ہوئے کسی دوسرے موقع کی تلاش میں پریشان پھرنے لگتے ہیں۔ میدانِ تجارت میں یہ ہے پہلے قدم کا نقشہ۔ اب اس کش مکش میں دیکھیے کونسی ذہنیت کام کرتی ہے۔ نام نہاد علما فرماتے ہیں کہ مروجہ تجارت جائز ہے۔ مگر ملاحظہ کیجیے دکان کے سلسلہ میں فریقین میں کوئی بھی اسلامی کردار روح، اخلاق یا طریقِ فکر دکھائی دیتا ہے؟ فریقین مجبور ہیں۔ اس کے سوائے کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ نظام سود خواری میں فریقین کا یہی طرزِ عمل لازمی ہے۔

اب آگے دوسرا قدم ملاحظہ کیجیے۔ جب ایک بڑا سرمایہ دار دکان حاصل کر کے استعمالی اشیا برائے فروخت پیش کرتا ہے تو بڑے سے بڑے سائن بورڈ لگا دیتا ہے۔ اور اخباروں میں اشتہار شائع کروا دیتا ہے کہ فلاں فلاں چیز ہمارے ہاں سے بارعایت خریدیں۔ یعنی ارد گرد کے دکانداروں سے نہ خریدیں۔ دوسرے دکانداروں کے گاہک توڑنے کے لیے چند چیزوں کے نرخ بھی بازار سے کم کر دیتا ہے اور اندازہ لگا لیتا ہے کہ گاہک آئیں گے تو یہ کسر بھی نکال لی جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آسمانِ تجارت کا یہ نیا چاند جب ضیا پاشی کرتا ہے تو چھوٹے ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ گاہک اس کی طرف رخ کر لیتے ہیں وہ نفع کماتا ہے اور یہ بے چارے قسمت کو روتے ہیں۔ اس طرح کئی کمزور لوگ اگر حرکتِ قلب بند ہو جانے سے موت کا شکار ہونے سے بچ جائیں تو مختلف قسم کے اعصابی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے مقابلہ و مسابقت کے ڈرامے کی حقیقت جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں

کہ ایک کے نقصان پر دوسرے کے منافع کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔

صنعتی میدان میں بھی یہی صورتِ حال ہے۔ وہاں بھی مقابلہ و مسابقت کی نوعیت وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے۔ ایک صنعت کار دوسرے سے تب ہی آگے بڑھ سکتا ہے جبکہ وہ اپنے مزدوروں کو کم معاوضہ دے اور زیادہ کام لے۔ یا اگر اس کے پاس سرمایہ وافر ہے تو زرِ کثیر خرچ کر کے تیز رفتار مشین بنوائے جو کم وقت میں زیادہ مال تیار کرے۔ اس بات کا بھی وہی مطلب ہے کہ اگر پہلے وہ ایک سست رفتار مشین پر ایک مزدور سے ایک گھنٹے میں دس روپے کا کام لیتا تھا تو اب تیز رفتار مشین پر اسی مزدور سے ایک گھنٹے میں پندرہ روپے کا کام لے کر اس کو وہی اجرت دیتا ہے جو پہلے دیتا تھا۔ درانحالیکہ مزدور تیز رفتار مشین پر کام کرنے سے سست رفتار مشین کی بہ نسبت زیادہ تھک جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مشین اس کو آنکھ جھپکنے کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ بسا اوقات اس کو ایسا کرنا پڑتا ہے کہ ہنرمند مزدوروں کو جو کہ اجرت زیادہ لیتے ہیں نکال کر ان کی جگہ نئے مزدور کم اجرت پر بھرتی کرے۔ کیونکہ مشینوں پر زیادہ ہنرمند کاریگروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس طرح ہنرمند مزدور یا تو کم اجرت لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں یا بے روزگاری کا شکار ہو کر در در دھکے کھاتے ہیں۔ اور چونکہ عموماً ان کے پاس اپنے اوزار نہیں ہوتے لہٰذا وہ اپنا کوئی کام نہیں کر سکتے اور آخر کار ان کو کارخانے کی غلامی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ بہرحال جب تک صنعت کار "کم دو اور زیادہ لو" کے فارمولا پر عملدرآمد کرنے میں کامیاب نہ ہو مقابلہ میں اس کے سبقت لے جانے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ اب دیکھیے اس سارے طریقِ کار میں کہیں بھی اسلامی روح کارفرما ہے؟ صنعتی ڈرامہ میں ہر ایک آدمی اسی طرح اپنا پارٹ ادا کرنے پر مجبور ہے کیونکہ سود خوارانہ نظام کی ہیئتِ ترکیبی ہی یہی ہے۔

مقابلے میں نفع حاصل کرنے کے لیے صنعت کار عموماً دکھلاوے سے بھی کام لیتے ہیں مثلاً کبھی شیشی یا ڈبیہ کو نیچے سے یا پہلوؤں سے اس طرح اندر کو کر دیتے ہیں جس سے اس میں مال تو کم پڑے لیکن دیکھنے میں زیادہ معلوم ہو۔ کبھی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ڈھکنا اور پیکنگ بڑا سا بنا دیتے ہیں۔ اور کبھی مال کی کوالٹی میں فرق ڈال دیتے ہیں۔

مقابلہ و مسابقت میں جب آدمی دوسرے کے انہدام پر اپنی تعمیر کرتا ہے تو لازماً اس پیشے میں دوسرے کو فیض پہنچانے کا جذبہ اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو نفع کمانے کا کوئی خاص

ہنر معلوم ہوتا ہے تو وہ دوسروں سے چھپاتا ہے تاکہ کوئی دوسرا اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور حصولِ منافع میں اس کو پچھاڑ نہ دے۔ کوئی شخص اپنے ایسے کارخانے میں داخل نہیں ہونے دیتا جہاں کوئی راز کی باتیں ہوں۔ کوئی اپنے کیمیادی نسخے دوسرے کو نہیں بتاتا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی اس کا رقیب پیدا ہو جائے بخل و خود غرضی کی یہاں تک حد پہنچی ہوئی ہے کہ اچھی نسل کی مرغی کے انڈے سوئی مار کر فروخت کیے جاتے ہیں تاکہ ان میں سے بچے نہ پیدا ہو سکیں اور کوئی آدمی اس کے مرغی خانے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ غرضیکہ مروجہ سود خوارانہ نظامِ معاشیات میں مقابلہ و مسابقت کی یہ صورت ہے جس پر عمل کرنے کے لیے آدمی مجبور ہے۔ کیا ایسا مقابلہ و مسابقت از روئے اسلام پسندیدہ اور مستحسن ہو سکتا ہے۔ اور کیا اسلام اس کی اجازت دے سکتا ہے؟ اس کے برعکس اسلام کا ارشاد ہے: فاستبقوا الخیرات یعنی نیکی کے کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ مگر جس اراضی میں آپ تخمِ سود بو کر "کم دو اور زیادہ لو" سے آبپاشی کریں اس میں آپ اسلامی ہمدردی، اخوت، محبت اور تعاون کی فصل اگنے اور نشوونما پانے کی کیونکر توقع رکھ سکتے ہیں۔

## اجیر و مزدور

مروجہ نظامِ معاشیات کا چونکہ بنیادی اصول سود خواری ہے اس لیے اس کو کسی پہلو سے بھی دیکھیے ہر جگہ ایک ہی روح کارفرما ہو گی۔ اور ایک ہی حقیقت نظر آئے گی۔

اجیر و مستاجر کے پہلو پر نگاہ ڈالیے ان کے تعلقات کو ملاحظہ فرمایئے اور ان کے طرزِ عمل پر غور کیجیے۔ مستاجر جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد دولت اور زمین ہوتی ہے وہ خام مال کی طرح بازار سے انسان کی قوتِ محنت بھی خرید لیتا ہے اور پھر اس قوتِ محنت کو خام مال پر لگا کر مختلف قسم کی اجناس یا اشیا تیار کرواکر زیادہ قیمت پر فروخت کر کے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اجیر یعنی محنت کار چاہتا ہے کہ وہ اپنی محنت کا پورا پورا پھل کھائے۔ لیکن ادھر مالک کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ مزدور کی محنت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے لہٰذا محنت کار اور مالک کے مفاد میں ہمیشہ تضاد اور ٹکراؤ رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر شعبہ اور ہر ادارہ میں مالک اور محنت کار کے دو متخالف گروہ بن جاتے ہیں۔ اور متضاد مفاد ہونے کی وجہ سے ان میں ہمیشہ کشمکش جاری رہتی ہے۔ ادھر مہنگائی سے تنگ آئے ہوئے مزدور ایکا کر کے اپنی اجرت بڑھانے اور دیگر مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ادھر مالک مختلف طریقوں سے

مزدوروں میں پھوٹ ڈالنے اور مقتدر ہستیوں کی امداد سے مزدوروں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اکثر اس کھینچا تانی میں ہاتھا پائی اور شدید مارکٹائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ کبھی مزدوروں میں اتفاق اور اتحاد پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ہڑتال کی دھونی دے کر مالک کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ بسا اوقات جب منڈی میں مالک کے مال کی خاطر خواہ نکاسی نہیں ہوتی تو وہ مزدوروں کی چھانٹی شروع کر دیتا ہے جس سے بوجہ بے روزگاری کے بے چینی اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ اجرت کا جھگڑا اور دیگر اسباب نہ مالک کو چین لینے دیتے ہیں اور نہ محنت کار کو۔ ان حالات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تماشہ گاہ سود خواری میں آدمی کٹھ پتلیوں کی طرح اپنا اپنا کھیل ادا کرنے پر مجبور ہے۔

اب قرآن کریم اور اسلامی تعلیم پر نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کیا اس میں متخالف گروہ بندی کی گنجائش ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ہم مروجہ نظام کو جس میں بوجہ متضاد مفاد کے متخالف گروہ بندی لازمی ہے۔ اسلامی نظام کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اسلام کا ایک ماحصل یہ بتایا ہے:

| | |
|---|---|
| واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً (آل عمران - ۱۱) | اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔ |

اور ارشاد فرمایا ہے کہ

| | |
|---|---|
| واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (آل عمران - ۱۱) | اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو |

قرآن حکیم کی منشا کے مطابق تو اسلامی نظام معاشیات وہ ہوگا جس میں متخالف گروہ بندی نہیں ہوگی۔ اور سب آپس میں مل کر بھائیوں کی طرح اپنی ضروریات زندگی کی پیدا آوری اور ان کی تقسیم کا انتظام کریں گے۔ (باقی آئندہ)

---


# کمرشل انٹرسٹ یا تجارتی سود

مصنفہ محمد جعفر ندوی

قیمت: ۵۰ ، ۱ روپے

ملنے کا پتہ: سیکرٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور